بمبئی تشریف لائے، اور محمدیہ ہائی اسکول جامع مسجد بمبئی ٹرسٹ میں اردو کے معلم بنے اور وہیں سے ریٹائر ہوئے، اسی کے ساتھ جامع مسجد بمبئی کے خطیب وامام مولانا غلام محمد صاحب کی سفارش پر آپ کا بمبئی جامع مسجد میں بحیثیتِ نائب امام تقرر رہا۔

محمدیہ ہائی اسکول سے ریٹائر ہونے کے بعد اپنی اہلیہ صاحبہ کے ساتھ حرمین شریفین کی زیارت اور ادائے فریضۂ حج سے سرفراز ہوئے، اغلب یہ ہے کہ مولانا کو اسی عرصہ میں ذیابطیس کے مرض نے گھیر لیا، تب سے مولانا مسلسل اس موذی مرض کا شکار رہے، کبھی کبھی شکر کا مرض جان لیوا حد تک بڑھ جاتا، مگر سخت پرہیز اور علاج ومعالجہ کے سہارے طبیعت بحال ہو جاتی، کبھی بمبئی اور کبھی اپنے وطن مالوف میں قیام پذیر ہوتے، مگر ہر طرف سے لوگ آپ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے اور آپ سے مصافحہ کرنے آتے تھے۔

مولانا موصوف کی ایک بڑی اہم دینی خدمت کا ذکر نہ کرنا ناسپاسی ہوگی، مولانا ہر جمعہ کو جامع مسجد بمبئی میں بعد نمازِ جمعہ خطبہ کا ترجمہ بڑے دلنشیں انداز میں بیان کیا کرتے تھے اور لوگ دل کے کان سے سنتے تھے۔

ایک دوسری اہم خدمت جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کی ہے، جامعہ پر ایک ایسا وقت آگیا تھا کہ جامعہ ٹوٹ رہا تھا، یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے، اس لیے کہ دنیا کی روش ہی ایسی ہے اور جب کہ معاملہ دین کے علم کا ہو تو شیطان ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے کہ دینی ادارے پنپنے نہ پائیں۔ حدیث نبوی میں ہے کہ شام کو شیطان کا سردار پانی پر تخت بچھاتا ہے اور تمام چیلے چانٹوں سے ان کی دن بھر کی کاروائی سنتا ہے، ہر ایک اپنا اپنا کارنامہ سناتا ہے تو شیطان اس پر کوئی شاباشی نہیں دیتا۔ ایک شیطان کہتا ہے کہ ایک لڑکا اسکول جارہا تھا میں نے اس کے ہاتھ سے اس کی تختی گرادی وہ ٹوٹ گئی تو بچہ روتے روتے گھر لوٹ گیا، بڑے شیطان نے اسے گلے سے لگایا اور اسے شاباشی دی کہ تو نے سب سے اچھا کام کیا——— ایک دوسری حدیث شریف میں ہے کہ ایک عالم ہزار جاہل

عابدوں کے مقابلہ میں شیطان پر زیادہ بھاری ہے، اس لیے کہ صرف عبادت سے شیطان کے مکر سے کوئی نہیں بچ سکتا، شیطان اسے چٹکی بجاتے ہی اپنے پھندے میں پھانس کر اسے عبادت سے روک سکتا ہے، شرک میں مبتلا کرسکتا ہے، مگر عالم کو پھندے میں پھانسنا آسان نہیں ہوتا، اس لیے کہ عالم شیطان کے تمام داؤ پیچ سے واقف ہوتا ہے، مگر شیطان آخر شیطان ہے، اس نے بندوں کو گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے، اس لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے کہ علمی اداروں کو تباہ کرے، اسی لیے منتظمین کو آپس میں لڑاتا ہے، تاکہ وہ اپنی خدمات سے دست بردار ہو کر الگ ہو جائیں اور مدارس کا نظم موقوف ہو کر بکھر جائے اور طالبانِ علم پیاسے رہ جائیں۔ چنانچہ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن جو کوکن کی پہلی علمی درس گاہ تھی اور ٹوٹنے کے دہانے پر پہنچ گئی تھی، مگر مولانا نے حسن تدبیر سے اسے سہارا دیا اور تاحیات وہ اس ادارے سے وابستہ رہے، اپنی پیرانہ سالی اور ہزار تکالیف کے باوجود وہ جامعہ کے لیے متفکر رہتے تھے اور سالانہ اجلاس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے تھے، اگر ان کی مجبوری کو دیکھ کر انھیں اطلاع نہ دی جائے تو ناراض ہوتے اور جلسہ کی تاریخ کا پتہ لگا کر حاضر ہونے پر اصرار کرتے تھے۔ مولانا جامعہ حسینہ کے اجلاس کے علاوہ کہیں دوسرے اجلاس میں بہت کم شرکت کرتے تھے۔

بس یہ اللہ کا راز ہے جو وہی جانتا ہے، وہ جس کسی سے کوئی کام لینا چاہتا ہے تو اسی طرح ناتوانی اور مجبوری کے عالم میں بھی اس سے کام لیتا ہے، مولانا اپنی حیاتِ مستعار میں قوم وملت کو خوب خوب فائدہ پہنچاتے رہے، ان کے اس دنیا سے چلے جانے کے بعد ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم ان کے حق میں دعائے خیر کریں اور ان کے روشن نقوش پر عمل کریں، اللہ عمل کی توفیق دیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

حضرت مولانا سید شوکت نظیر رحمۃ اللہ علیہ

مہد سے لحد تک

انوار احمد قاسمی مبارکپوری

ولادت: حضرت مولانا سید شوکت علی نظیرs ۲۶؍شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ ۶؍جنوری ۱۹۳۲ء کو پیدا ہوئے۔

اسم گرامی ونسب خاندان:

آپ سادات سے تعلق رکھتے تھے، آپ کا سلسلۂ نسب ۳۳؍واسطوں سے حضرت حسینؓ سے جاملتا ہے۔نسب اس طرح ہے: (مولانا) سید شوکت علی ابن سید عبدالغفور بن سید حسین بن سید عمر بن سید علی بن سید عمر بن سید حسین بن سید عمر بن سید زین بن سید ابوبکر بن سید عبد الرحمٰن بن سید حبیب علی بن سید محمد نظیر بن سید علی بن سید عمر بن سید محمد نظیر بن سید عبدالرحمٰن بن سید عمر بن سید عبدالرحمٰن بن سید احمد بن سید علوی بن سید فقیہ احمد بن سید عبدالرحمٰن بن سید علوی بن سید جمال الدین بن سید محمد بن سید علی بن سید علوی بن سید محمد بن سید علوی بن سید عبداللہ بن جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسین بن علی

ابتدائی تعلیم:

اسکول کی ابتدائی تعلیم چوتھی جماعت تک گاؤں کے اسکول میں حاصل کی، آپ کے استاذ جناب سید محمد علی نظیر مرحوم تھے، جو آپ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ پر بے حد شفیق اور مہربان تھے۔

جامعہ حسینیہ راندیر :

دینی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ حسینیہ عربیہ راندیر پہنچے، جہاں ۱۳۶۵ھ سے ۱۳۷۲ھ کے دوران فارسی اول تا عربی پنجم تعلیم حاصل کی۔ درمیان میں ایک سال بیمار ہونے کی وجہ سے سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحانات میں شریک نہ ہوسکے۔ جامعہ حسینیہ راندیر کے مہتمم مولانا محمد سعید راندیریؒ، نیز وہاں کے اساتذہ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے، لیکن مدرسے میں طلبہ وانتظامیہ کے درمیان کچھ کشمکش کی وجہ سے درمیانِ سال میں حالات کچھ ایسے پیدا ہوگئے کہ مدرسہ انوار العلوم احمد آباد جانا پڑا، وہاں غالباً نصف سال رہے۔

دارالعلوم دیوبند:

پھر آپ ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۳ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، اور دورۂ حدیث میں داخلہ لیا، دورۂ حدیث میں آپ نے صحیح بخاری شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے، صحیح مسلم امام المعقول والمنقول حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ سے، سنن ترمذی، سنن ابو داود اور شمائل ترمذی شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہویؒ سے، سنن نسائی طحاوی اور موطا امام مالک حضرت مولانا فخر الحسنؒ سے، موطا امام محمد حضرت مولانا محمد جلیلؒ سے، ابن ماجہ حضرت مولانا ظہور احمدؒ سے پڑھیں۔ اس کے علاوہ آپ کے دیگر اساتذہ میں حکیم الاسلام مولانا قاری طیب صاحبؒ، حضرت مولانا بشیر احمد خان صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الواحد صاحبؒ حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ ہیں۔ آپ نے ۱۳۷۴÷۱۹۵۴ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، دورۂ حدیث میں آپ کے رفقائے درس میں مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ سابق صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ، مولانا شیر علیؒ سابق شیخ الحدیث جامعہ فلاح دارین ترکیسر اور مولانا عبد الحق محدث دارالعلوم دیوبند اور مولانا محمد ابراہیم دیولہ مرکز نظام

الدین وغیرہ ہیں۔ اس جماعت میں بہت سے نامور علماء پیدا ہوئے۔ دورۂ حدیث سے
فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم میں دورۂ تفسیر — جس کا قیام ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۳ء
میں عمل میں آیا تھا — کی تکمیل کی۔

مصری اساتذہ سے استفادہ:

مولانا کو عربی زبان سے بھی بڑی دلچسپی تھی، خوش قسمتی سے دارالعلوم دیوبند
میں ۱۳۷۵ھ میں جامعہ ازہر مصر سے دو جلیل القدر اساتذہ شیخ عبدالمنعم النمر اور شیخ عبدالعال
العقباوی کو دو سال کے لیے دارالعلوم دیوبند میں جدید عربی ادب وانشاء کی تعلیم کے
لیے بھیجا گیا۔ مولانا نے اس زرّیں موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ان مصری اساتذہ سے
عربی ادب میں خصوصی طور پر استفادہ کیا، نیز آپ نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے اردو ادب کا
امتحان دیا اور اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کی، جس کا تذکرہ حضرت مولانا نے مہتمم جامعہ
اسلامیہ ڈابھیل کے نام ایک مکتوب میں کیا ہے۔ (نقوشِ بسم اللہ ۲/۱۴۷)

نکاح واولاد:

فروری ۱۹۵۷ء میں آپ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے، نکاح کے تقریباً ڈھائی سال
بعد ۱۹۵۹ء ایک بیٹے حفظ الرحمٰن پیدا ہوئے، مولانا جنھیں 'ارشد' کے نام سے پکارتے تھے، ان کی
ولادت کے دو سال کے بعد ایک بیٹی ہوئی، لیکن وہ کچھ ہی گھنٹوں کی مہمان تھی اور اللہ کو پیاری
ہوگئی۔ اس کے بعد بچی عاتکہ کی ولادت ہوئی، جو بہت خوب صورت اور صحت مند تھی، حضرت
مولانا کو اس بچی سے بہت محبت تھی، یہ بچی طویل عرصے تک بیمار رہنے کے بعد اللہ کو پیاری ہوگئی۔

میدانِ عمل میں:

مولانا نے فراغت کے بعد کچھ عرصے تک اپنے گاؤں میں رہ کر دین کی خدمات انجام

دیں اور گاؤں واطراف کی بستیوں میں وعظ وخطابت کے ذریعہ اصلاحِ عقائد اور لوگوں
کو دین کی بنیادی تعلیمات سے واقف کرانے، مسلم معاشرے میں صلاح وتقویٰ کی روح
پھونکنے اور بدعات وخرافات کو ختم کرنے کی کوشش کرتے رہے، پھر جامع مسجد کے امام و
خطیب مولانا غلام محمد خطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر بنگالی پورہ مسجد بمبئی میں امامت کے
فرائض انجام دیئے۔

تدریس جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل:

۱۳۷۹ھ میں آپ کو تدریسی خدمت اور بعض انتظامی امور انجام دینے کے لیے جامعہ
اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں طلب کرلیا گیا، آپ نے وہاں درجۂ عالمیت کی ابتدائی کتب
اور دیوانِ متنبّی بھی پڑھائی اور طلبہ کی تربیتی واخلاقی فکریں بھی کیں، جس کے مثبت نتائج بھی
سامنے آئے، اور ایسا لگ رہا تھا کہ علم وعمل کا یہ روشن ستارہ درس وتدریس کی اعلیٰ مسند کو زینت
بخشے گا، لیکن حق تعالیٰ کو مولانا سے کچھ اور ہی کام لینا منظور تھا اور خاص طور سے بمبئی وخطۂ کوکن
میں آپ سے دینی خدمت لینی تھی، چناں چہ انجمن اشاعت الاسلام بمبئی کے ذمہ داران نے
حضرت مولانا شوکت صاحب کو بمبئی وعلاقۂ کوکن میں دینی خدمات انجام دینے کے لیے
طلب کیا، مہتمم جامعہ ڈابھیل حضرت مولانا محمد سعید بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مولانا کو بہت عزیز رکھتے
تھے اور مولانا کو چھوڑنے کے لیے بالکل راضی نہ تھے، لیکن انجمن اشاعت الاسلام کے ذمہ
داران کے پیہم اصرار اور مولانا غلام احمد خطیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مسلسل درخواست کی وجہ
سے بادلِ ناخواستہ آپ کو اجازت دی اور مولانا جامعہ سے مستعفی ہوکر بمبئی تشریف لائے۔
آپ نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تاریخ کے مطابق شوال ۱۳۷۹ھ سے ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ تک
تدریسی خدمت انجام دی۔ (تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل: ۴۳۲)

امامت وخطابت جامع مسجد بمبئی:

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے بعد جامع مسجد بمبئی میں نائب امام کے عہدے پر فائز ہوئے، مولانا غلام محمد خطیب صاحب جب معذور اور صاحب فراش ہوئے تو امام مقرر ہوئے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے، مولانا نے تقریباً ۵۲/سال تک جامع مسجد بمبئی میں امامت کی ذمہ داری سنبھالی اور اس عرصے میں مولانا کی اقتدا میں ہندوستان کے چوٹی کے اکابر وعلما نماز ادا کرتے رہے اور مولانا ان اکابر کی محبت وشفقت اور اعتماد سے سعادت یاب ہوتے رہے۔ بیرون ملک کے عرب حضرات بھی جو بمبئی میں تجارت وعلاج وغیرہ کی غرض سے آتے جمعہ میں شریک ہوتے اور مولانا کے خطبات سے متاثر ہوتے۔ حضرات شیوخ الازہر، شاہ فیصل، شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، شیخ عائض القرنی اور بھی بہت سے عرب علماء ومشائخ نے مولانا کے پیچھے جمعہ کی نماز ادا کی اور مولانا کے بلند مقام کے معترف رہے۔

نماز جمعہ میں مولانا جب خطبہ دینے کے لیے تشریف لاتے تو بڑا پُر کیف منظر ہوتا، ایک خطیب اسلامی عظمت ووقار کے ساتھ کھڑا ہوتا، اذان ہوتی پھر خطبہ شروع ہوجاتا، مصلیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی بمبئی کی سب سے بڑی جامع مسجد میں ایک عجیب روحانی منظر ہوتا، نماز کے بعد عربی خطبہ کا عمدہ انداز میں ترجمہ پیش فرماتے، اس کے بعد اگر کوئی نکاح ہوتا تو خطبۂ نکاح پڑھتے، پھر ملاقات کرنے والوں کا ایک ہجوم ہوتا جو حضرت مولانا سے مصافحہ کرنے کے لیے قطار میں کھڑا ہوجاتا۔ مصلیوں کا مرکز عقیدت مولانا کی ذات گرامی ہوتی، وہ بڑی عقیدت ومحبت کے ساتھ مولانا سے مصافحہ کرتے، مجمع کبھی اتنا زیادہ ہوتا کہ اس عمل میں اچھا خاصا وقت لگ جاتا، لیکن مولانا ہر ایک سے بڑی خندہ پیشانی سے مصافحہ کرتے تھے۔

آپ نے اس منصب پر رہتے ہوئے جو بے مثال زندگی گزاری، وہ علماء وطلبہ اور دین و

ملت کے حق میں کام کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ مولانا نے اس شان ووقار اور خلوص ودردمندی کے ساتھ امامت کی کہ آپ مرجع خلائق بن گئے۔ آپ کی اس مقبولیت کے پسِ پشت چند عوامل کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا:

(۱) صلاح وتقوی: مولانا اس وصف میں اسلاف کا نمونہ تھے، ظاہر وباطن کی یکسانیت تھی، طبیعت میں دورنگی اور دوہرا پن نہ تھا، اخلاص وللّٰہیت، خشوع وخضوع، دین داری، پرہیز گاری، اتباع سنت، اعمال اور ذکر واذکار کی پابندی کی وجہ سے چہرے پر روحانیت کا عجیب نور جھلکتا تھا۔

(۲) امت کی فکر: مولانا کے اندر امت کی اصلاح کی بے پناہ فکر اور تڑپ تھی، آپ چاہتے تھے کہ نمازِ جمعہ میں امت کا جو عام طبقہ آتا ہے وہ بھی محروم نہ لوٹے، بلکہ اصلاح وتربیت کا قیمتی ذخیرہ اپنے ساتھ لے کر جائے، اس لیے آپ نمازِ جمعہ کے بعد خطبہ کا اردو ترجمہ پیش کرتے اور اس کے ذریعے لوگوں کی اصلاح وتذکیر اور امت کو دین کی راہ پر لانے کی کوشش کرتے تھے۔ جامع مسجد میں قریب اور دور دراز سے آنے والے حضرات ہفتہ بھر کے لیے روحانی غذا لے کر جاتے، ان خطبات کو سن کر نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیاں سنور جاتیں۔

مولانا یہ خطبات بڑی محنت سے تیار کرتے جو موقع ومحل کی مناسبت سے ہوتے تھے اور جب کوئی نئی بات یا مسئلہ پیش آتا تو مولانا اپنے خطبات کے ذریعہ صحیح راہنمائی فرماتے تھے۔ جب سلمان رشدی کا فتنہ اٹھا اور امت کی فکری بنیادوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا، تو آپ نے مسلسل ۵۲/خطبات صحابہ کرامؓ کی عظمت وفضیلت پر دیئے جو علم وفضل کا شاہکار ہیں۔ یہ امت ہی کی فکر تھی کہ اگر کوئی بڑی شخصیت جامع مسجد میں تشریف لاتی تو آپ گاہے بگاہے ان سے تقریر کرواتے، تاکہ مسجد میں آنے والے حضرات ان کے بیان اور قیمتی باتوں سے مستفیض ہوں اور اس کی روشنی سے اپنی عملی زندگی میں فائدہ اٹھائیں۔ حضرت مولانا ابوالحسن

علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ایک جمعہ کو جامع مسجد بمبئی میں خطاب ہوا۔ (کاروانِ زندگی: ۲۱۸/۴)

(۳) اصول وضواط کی پابندی: مولانا کی پابندیٔ وقت بھی مشہور تھی، جامع مسجد کے خدام سے کوئی بھی پوچھ سکتا تھا کہ آپ کہاں گئے ہیں اور کب تک واپس آئیں گے۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز سے پہلے مسجد میں تشریف لاتے۔ مسجد کی ہر چیز کا خیال رکھتے اور اس کے ادنیٰ سے ادنیٰ خادم کے ساتھ محبت وحسن سلوک کا معاملہ فرماتے، احوال پوچھتے، خبر گیری کرتے، تعاون و مدد کرتے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے، اس وجہ سے خدام بھی مولانا سے بے حد محبت کرتے تھے۔ مولانا وقت کا اتنا خیال رکھتے کہ مقررہ وقت کے اندر ہی جمعہ وخطبات ختم ہوجاتے۔

(۴) تحمل ورواداری: مولانا اس منصب پر رہتے ہوئے اپنے کردار وعمل کے ذریعہ نمونۂ عمل بنے اور نازک سے نازک موقع پر اشتعال وجذباتیت سے ہٹ کر صالح فکر کے ساتھ امت کی صحیح راہنمائی فرمائی، باطل فرقوں کی اشتعال انگیزیوں سے جذبات میں آئے بغیر مثبت انداز میں اس کا تدارک کرنے کی فکر کرتے تھے۔

(۴) استغنا وبے رغبتی: مولانا خودداری واستغنا کا ایک کامل نمونہ تھے۔ عروس البلاد بمبئی، فلک بوس عمارتوں اور تجارتی منڈیوں کی وجہ سے ہندوستان کا دل مانا جاتا ہے، مولانا جس علاقے میں رہتے تھے وہ ممبئی کا قلب ہے، ہر طرف تجارت گاہ، بزنس مال اور پیسوں کی ریل پیل ہے، صبح وشام دنیا کمانے کی گویا ایک ہوڑ مچی ہوئی ہے، ایسے ماحول میں مادیت پرستی سے صحیح سلامت دامن بچا کر نکل جانا ایک کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ مولانا نے ساری زندگی ممبئی میں گزاری، لیکن اس کی رنگینیاں کبھی آپ کو متاثر نہ کرسکیں، مولانا اگر دولت وجائیداد کی خواہش رکھتے تو ان کے پاس کسی چیز کی کمی نہ ہوتی، لیکن مولانا کی بے نفسی، بے ریائی اور مال ودولت سے بے اعتنائی اس حد تک تھی کہ وہاں اپنا ایک ذاتی گھر بھی نہ بنایا،

مسجد ہی کے مکان میں رہے، حالانکہ آپ کے چاہنے والوں اور آپ پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والوں کی کچھ کمی نہ تھی، لوگ پیش کش کرتے رہے، لیکن مولانا نے کبھی قبول نہ فرمایا۔

(۵) اخفائے حال: حضرت مولانا جاہ ومرتبہ سے بے نیاز اور شہرت ونا موری سے دور رہتے تھے۔ اسی وجہ سے خاص خاص جلسوں میں ہی شرکت فرماتے تھے، حضرت مولانا کو اپنے اکابر سے بڑا گہرا تعلق تھا، آپ ان کی خدمت میں حاضری دیتے تھے۔ لیکن آپ شہرت کی طلب، نیک نامی کی خواہش، اپنے کو بزرگ شخصیت پیش کرنے سے بے نیاز اور ستائش کی تمنا سے بالکل دور تھے۔ مولانا کا یہ وصف دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یاد آتا ہے: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ. جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو کمتر سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے سر بلندی اور عزت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ جو شخص دل سے متواضع ہوتا ہے وہ محبوبِ خلائق بن جاتا ہے، مولانا نے تواضع برتی، اپنے آپ کو چھپایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی محبت دلوں میں ڈال دی اور وہ مرجع خلائق بن گئے۔

تدریس مدرسہ محمدیہ:

جامع مسجد بمبئی کی سرپرستی میں مدرسہ محمدیہ چلتا تھا، مولانا کو مسجد کے ٹرسٹیوں نے وہاں استاذ مقرر کیا اور مدرسہ محمدیہ میں عربی استاذ کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، وہاں سے ۱۹۹۲ء میں ریٹائر ہوئے۔

علمی ودینی کاموں واداروں کی سرپرستی:

مولانا کی ایک بڑی خدمت علمی ودینی کام کرنے والے افراد واداروں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی ہے، مولانا بمبئی، آس پاس اور خطۂ کوکن میں چلنے والے دینی، دعوتی اور علمی کاموں کی سرپرستی ورہنمائی فرماتے تھے۔ جامعہ حسینیہ عربیہ شروردھن سے آپ کا تعلق جسم وروح کا تھا، آپ نے جامعہ کی سرپرستی فرمائی اور اسے دین کی ایک قیمتی امانت سمجھ کر اس کی

ہمہ جہت ترقی کے لیے ہر لمحہ فکرمند رہے۔ جب آپ بمبئی میں قیام پذیر ہوئے تو ۱۹۶۴ء میں آپ کی زیر نگرانی حضرت مولانا عبد المنعم صاحب دامت برکاتہم نے ایک دینی رسالہ ''سفر'' شروع فرمایا، جس کا بنیادی مقصد علاقے میں دینی روح کو بیدار کرنا، لوگوں کو شریعت وسنت اور اسلامی تعلیمات سے واقف کرانا تھا، جس میں عام فہم مضامین اور آسان زبان میں دینی مسائل بیان کیے جاتے تھے۔

حج:

مولانا نے ۱۴۱۴ء مطابق ۱۹۹۳ء میں زندگی مرتبہ حج بیت اللہ سے شرف یاب ہوئے، آپ نے پوری زندگی میں ایک ہی مرتبہ حج کیا۔

بیعت وخلافت:

مولانا کا اصلاحی تعلق فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ سے تھا، حضرت مفتی صاحب نے آپ کو چند دنوں کے لیے دارالعلوم دیوبند بلایا اور اجازت وخلافت سے مشرف فرمایا۔ (دیکھئے: حیات محمود: ۴۴۹/۲) پھر شیخ الاسلام حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خلیفۂ خاص حضرت مولانا احمد علی آسامی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو خلافت واجازت مرحمت فرمائی، لیکن مولانا کے اندر اخفاء کی صفت غالب تھی، اس لیے آپ اپنی بزرگی وکمالات کو چھپاتے تھے اور لوگوں بیعت بہت کم کرتے تھے، عموماً دسرے اکابر کی طرف رجوع کا مشورہ دیتے تھے۔

اکابر علماء کا اعتماد وتعلق:

ممبئی جامع مسجد- جو کہ تقریباً ڈھائی سو سال پرانی ہے- جیسے مرکزی مقام پر آپ نے امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی، اس عرصے میں مولانا بمبئی تشریف لانے والے اکابر کا استقبال کرتے، ان کی خدمت میں حاضری دیتے۔ انھوں نے ان اکابر سے نہ صرف تعلق

رکھا، بلکہ اپنے اخلاق وعمل سے متاثر بھی کیا اور ان کی شفقت واعتماد بھی حاصل کیا۔ حضرت مولانا اپنی صالحیت وصلاحیت کی وجہ سے شروع ہی سے اکابر کے منظور نظر رہے۔ مولانا عبد الماجد دریابادیؒ نے ۱۹۷۲ء میں ممبئی کا سفر کیا، انھوں نے خطیب صاحب مرحوم اور حضرت مولانا کے متعلق اپنے مخصوص البیلے انداز میں اس طرح تذکرہ کیا ہے: ''خطیب صاحب جامع مسجد بڑے باخبر upto date نکلے، مجھے انگریزی زبان میں شائع ہونے والی ایک خاص خبر کا تراشہ انھیں حضرت نے دیا جس سے میں بے خبر ہی رہ جاتا اور ان کے نائب مولوی شوکت علی صاحب بھی توجہ والتفات سے بڑھ کر ملے۔'' (سیاحت ماجدی: ۱۹) مولانا کا بمبئی تشریف لانے والے بزرگوں مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ، مولانا عبد الشکور فاروقیؒ، مولانا قاری محمد طیبؒ صاحب، مفتی محمود حسن گنگوہیؒ، مولانا احمد علی آسامیؒ، قاضی اطہر مبارک پوریؒ، مولانا قاری صدیق احمد باندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا سید اسعد مدنیؒ، مولانا ابرار الحق صاحب ہردوئیؒ، قاری امیر حسن صاحب ہردوئیؒ وغیرہ سے بڑے اعتماد ومحبت کا تعلق تھا۔ حضرت قاری صدیق احمد باندویؒ سے بھی بڑے بے تکلفانہ تعلقات تھے، حضرت قاری صاحب تواضع وایثار کے پیکر تھے، مولانا قاری صاحب کے متعلق فرماتے کہ قاری صاحب نے کبھی مجھے آگے بڑھنے کا موقع نہیں دیا، میں کوشش کرتا کہ ان کی خدمت میں حاضر ہوں، لیکن اس سے پہلے ہی وہ جامع مسجد میں ملاقات کے لیے تشریف لاتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بزرگوں میں کتنا تعلق وانس تھا۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ سے بھی خاص تعلق تھا، اور حضرت مولانا جب بمبئی میں ہوتے تو جامع مسجد میں ہی نماز پڑھتے تھے۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں: بمبئی قیام کے دوران مولانا شوکت علی امام جامع مسجد وغیرہ بھی تشریف لاتے رہے۔ (کاروانِ زندگی: ۳۱۵/۶) حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ سے بھی گھریلو تعلق تھا اور مولانا انھیں 'بھائی صاحب' کہتے تھے۔

معاصر اکابر سے بھی مولانا کے بڑے اچھے روابط تھے، اخیر زمانے میں مولانا اپنی بیماری کی وجہ سے کہیں آنے جانے سے معذور تھے، لیکن دیگر اکابر مولانا کی خدمت میں تشریف لاتے، اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہتا۔ ابھی چند سال پہلے جامعہ کے مہمان خانے میں مولانا مفتی احمد خانپوری اور مولانا کا اجتماع ہوا، ہر دو حضرات کی پُر لطف گفتگو کی لذت ابھی تک تازہ ہے۔ اخیر زمانے میں جب کہ آپ تقریباً معذور ہو گئے تھے، خود سے چل پھر نہیں سکتے تھے، محبوب العلماء والصلحاء حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب جب تشریف لائے تو مولانا اپنے ضعف وعلالت کے باوجود پُر مشقت سفر کرکے ان سے ملاقات کے لیے تشریف لے گئے، اس طرح حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جب کچھ وقت کے لیے ممبئی تشریف لائے تو مولانا ان کے استقبال کے لیے شالیمار ہوٹل میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں اہلیانِ ممبئی کی طرف سے آپ کا استقبال کرتا ہوں۔ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''بمبئی کی سب سے بڑی جامع مسجد کے امام وخطیب حضرت مولانا شوکت صاحب مدظلہم اس وقت بمبئی میں سب سے زیادہ معمر بزرگ ہیں جن پر علاقے کے تمام مسلمان اعتماد کرتے ہیں۔ آج کل وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے ہیں، ہمارا خیال تھا کہ عصر کی نماز ان کی مسجد میں پڑھ کر ان کی زیارت اور عیادت کی سعادت حاصل کریں گے، لیکن ہجوم کی وجہ سے ہمیں نکلنے میں دیر ہوئی، اور جماعت ہوٹل ہی میں کرنی پڑی۔ نماز کے فوراً بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا ہمارے آنے کی خبر سن کر بذاتِ خود ہوٹل کی نچلی منزل میں تشریف لا چکے ہیں......(سفر در سفر: ۳۰۰)

مقام ومرتبہ: علم وعمل کی جامعیت، صلاح وتقویٰ اور خاکساری واستغناء کی وجہ سے حق تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ مقبولیت سے نوازا تھا، ہر طبقہ اور مسلک والے آپ کا احترام کرتے تھے، دنیادار طبقہ بھی آپ پر فدا تھا، گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا کہ جمعہ کی نماز کے بعد

آپ سے ملاقات کرنے والوں کا ایک ہجوم ہوتا جو حضرت سے مصافحہ کرنے کے لیے قطار میں کھڑا ہو جاتا، پھر عقیدت ومحبت سے مصافحہ کرتا۔

اہل علم کے یہاں آپ کی بڑی قدر وقیمت تھی، نہ جانے کتنے علماء علالت کے زمانے میں صرف چند منٹ کی زیارت کے لیے دور دراز سے سفر کرکے تشریف لاتے۔ صرف زیارت کرتے اور برکت سمیٹ کر چلے جاتے۔ یہ حضرت مولانا کی برکت تھی کہ اس دشوار گذار کوہ ودمن میں بزرگانِ دین اور علماء واکابر کی آمد حضرت کے طفیل ہوتی رہتی تھی، اور اس بہانے ہم خدامِ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کو ان سے استفادہ کا موقع ملتا رہتا تھا۔ پچھلے دو سالوں میں حضرت مولانا مفتی ابو القاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا یوسف متالا، مولانا محمد ابراہیم پانڈور، مفتی احمد خان پوری، مولانا عبد الرزاق بھوپال، مولانا سید سلمان مظاہری سہارنپور، مولانا عبد العلیم فاروقی، مولانا محمود مدنی، مولانا بدرالدین اجمل، مولانا احمد بزرگ (مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) اور نہ جانے کتنے علماء واکابر حضرت کی عیادت و ملاقات کے لیے ''میندری'' تشریف لاتے، اس بہانے ان میں سے اکثر کا جامعہ میں بھی آنا ہوتا اور ہم سب ان حضرات کی زیارت وملاقات سے اپنے دیدہ ودل کو سیراب کرتے تھے۔
حضرت کی وفات پر دارالعلوم دیوبند کی موقر رکن شوریٰ (جو کہ ہندوستان کے اکابر علماء پر مشتمل ہے) میں تعزیتی قرارداد منظور کی گئی اور دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

علالت ووفات: مولانا کی بیماری وضعف میں تقریباً دو سال سے اضافہ ہو گیا تھا، بیماری وافاقہ لگا رہتا تھا، اس دوران گاہے بگاہے جامعہ میں تشریف لاتے رہے۔ کسے خبر تھی بس اب یہ آفتابِ علم وعمل غروب ہونے والا ہے۔ بہ روز شنبہ ۲۵/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۵ء بروز دوپہر دو بجے تقریباً جان، جانِ آفریں کے سپرد کردی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْهُ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ آمین

پیغام

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سید شوکت علی نظیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ملت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے۔ مولانا مرحوم نے بمبئی کی تاریخی جامع مسجد کی امامت وخطابت کی طویل ذمہ داری کے ساتھ ملت کی دینی رہنمائی اور اصلاح وتربیت کا بھی اہم فریضہ انجام دیا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں ایک نمایاں اور باصلاحیت فاضل تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے مرحوم کو شرفِ تلمذ حاصل تھا اور اس دور کے دیگر بڑے اساتذۂ کرام سے بھی استفادہ کا موقع ملا۔ مرحوم نے اس نسبت کا ہمیشہ خیال رکھا اور اپنی مادرِ علمی کا ذکر خیر فرماتے رہتے تھے۔ اسی کے ساتھ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی قدس سرہٗ جیسے جلیل القدر بزرگ اور نابغۂ روزگار شیخ ومربی سے نہ صرف یہ کہ رشتہ ارادت ومحبت رکھتے تھے، بلکہ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ان کو اجازت وخلافت بھی حاصل تھی۔

دوسال قبل شدید علالت کی حالت میں مرحوم اپنے وطن میں مقیم تھے، اور راقم المباحث الفقہیہ کے اجتماع میں شرکت کے لیے بمبئی حاضر ہوا تو بھائی عبدالحفیظ صاحب عطر والا کے ہمراہ تھوڑی دیر کے لیے حضرت مولانا شوکت علی نظیر صاحب کے وطن میں حاضری اور حضرت کی ضیافت سے مستفید ہونے کا موقع ملا تھا، اپنی علالت کے باوجود حضرت نے بہت ہی شفقت کا معاملہ فرمایا، کیا خبر تھی کہ یہ مختصر ملاقات ہی آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ والسلام

عالمانہ شان ووقار اور بزرگانہ صفات وخصوصیات کی حامل شخصیت

مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا سید شوکت علی نظیر رحمۃ اللہ علیہ کا ممبئی کے مشہور ومقبول علما میں شمار ہوتا ہے، جنھوں نے وہاں کی جامع مسجد میں عرصۂ دراز تک امام وخطیب کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، اور اپنی عالمانہ شان ووقار اور بزرگانہ صفات وخصوصیات سے ارشاد وتربیت کا بھی کام انجام دیا، ان کو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہٗ سے شرفِ تلمذ واستفادہ حاصل تھا، وہ کوکن کے ضلع رائے گڈھ کی مشہور تاریخی بستی مینڈری میں ۲۶ر شعبان المعظم ۱۳۵۰ھ ۶ر جنوری ۱۹۳۲ء کو حسینی سادات کے خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔

جامعہ حسینیہ راندیر سورت پھر مدرسہ انوار العلوم احمد آباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں دارالعلوم دیوبند داخل ہوئے، جہاں مسندِ تدریس پر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ جلوہ افروز تھے، دورۂ حدیث شریف میں ان سے صحیح بخاری کا درس لیا اور علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا اعزاز علی امروہوی، مولانا فخر الحسن، مولانا محمد جلیل اور مولانا ظہور احمد صاحب رحمہم اللہ سے حدیث شریف کی بقیہ کتابیں پڑھیں، اور امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی۔

ان کو اپنے اساتذہ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص تعلق ہو گیا تھا، جس سے ان کو حضرت کی شفقتیں حاصل ہوتی رہیں، حضرت کئی بار ان کے گاؤں تشریف لے گئے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ممبئی کی ایک مسجد میں امام وخطیب کی حیثیت سے ذمہ داری انجام دینی شروع کی تھی، لیکن کچھ ہی مدت میں وہ گجرات کے معروف وممتاز تعلیمی ادارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل بلا لیے گئے، جہاں ملک کی ممتاز اہل علم شخصیتیں درس وتدریس کی خدمت انجام دے چکی تھیں، جس کی وجہ سے اس ادارے کو اچھا نام اور مقام حاصل ہوا، وہاں انھوں نے تدریسی خدمت کے ساتھ طلبہ کا دینی مزاج بنانے کا کام بھی جاری رکھا، جس سے آپ کو بڑی عزت ومقام حاصل ہوا، لیکن ممبئی کی تاریخی وقدیم جامع مسجد میں امام وخطیب کی ضرورت جب محسوس کی گئی اور اس میں شافعی المسلک امام کا تقرر ہوتا تھا، آپ کا تعلق کوکن کے علاقے سے تھا جہاں شافعی المسلک لوگ آباد ہیں، آپ کی اس خصوصیت کے ساتھ تدین وتقویٰ اور استغناء کے مزاج اور عالمانہ وقار اور مربیانہ صفت کو دیکھتے ہوئے اس منصب کے لیے مدعو کیا گیا، آپ نے اپنے بڑوں کے مشورے سے اس ضرورت کو ترجیح دی، باوجودیکہ آپ کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں اہمیت اور اچھا مقام حاصل تھا، اور ۵۲؍سال پورے عزت ووقار کے ساتھ یہ خدمت انجام دی، اور آخر میں وہ کمزوریٔ صحت کی وجہ سے زیادہ تر اپنے وطن (میندری) رائے گڈھ میں رہنے لگے تھے، اور ان کے نائب کے طور پر یہ خدمت انھیں کے ایک تربیت یافتہ نوجوان عالمِ دین انجام دینے لگے تھے، جو اب اس تاریخی جامع مسجد کے باقاعدہ امام وخطیب ہیں، اس مسجد میں دوسری خصوصیات کے ساتھ تعلیم کا بھی نظام ہے اور ایک یادگار لائبریری بھی ہے، جس میں اچھے نوادرات بھی ہیں، ان سب میں مولانا کی رہنمائی لی جاتی تھی اور ان کو مسجد کے ارکان وذمہ داروں کا مکمل اعتماد حاصل تھا، اسی کے ساتھ وہ مسجد کے مصلیوں اور مقتدیوں کے لیے مرکزِ

محبت وعقیدت بھی تھے، اور وہ سب آپ سے دینی وعلمی رہنمائی لیتے تھے، اس طرح آپ نے اصلاح عقائد ورسوم وازالۂ بدعات ومنکرات کے کام کے ساتھ دینی تربیت وارشاد کا کام بھی اپنے جمعہ کے خطبوں اور مجلسی گفتگو کے ساتھ اپنے طرز عمل اور معیاری دینی کردار سے انجام دیا، جس کی خوشبو صاف محسوس ہوتی تھی۔

ان کے اپنے وطن میں قیام اور ضعف وعلالت کی وجہ سے امامت وخطابت سے معذوری کی وجہ سے ملاقات کا موقع بہت دنوں سے نہیں ملا تھا، جنوری ۲۰۱۳ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے تعاون سے حضرت امام شافعی، ان کی فقہ اور اس کے اعلام وتصانیف سے متعلق جامعہ حسینیہ کے ایک اجلاس کے موقع پر شریوردھن جانا ہوا تھا، جو ان کے وطن سے قریب تھا، انھوں نے اپنی تشریف آوری کے ذریعے شرفِ ملاقات بخشا، یہ ان کے تعلق اور وضع داری کی بات تھی کہ وہ ازخود تشریف لائے اور مجھے موقع نہیں دیا کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ ممبئی میں بھی انھیں معلوم ہوتا اور ان کا ممبئی میں قیام ہوتا تو وہ ملاقات کی خواہش رکھتے، اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ ازخود قیام گاہ تشریف لے آتے۔

مولانا ہمارے ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے عرصہ سے رکن بھی تھے، اور اس کی مجلسِ انتظامی میں شرکت بھی فرمائی، اور خال معظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا تعلق رکھتے تھے، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ان سے ان کے مخلصانہ تعلق اور ان کی بزرگوں سے نسبت اور ان کے دینی اثر کی وجہ سے خاص تعلق تھا اور وہ ممبئی کے قیام میں اس کی خواہش رکھتے تھے کہ ان کی امامت میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی کریں، اور اس کے لیے جامع مسجد جاتے۔

کوکن کے علاقہ شریوردھن میں جامعہ حسینیہ عربیہ کا قیام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ایماء پر عمل میں آیا تھا، جس کی آخر تک انھوں نے سرپرستی فرمائی اور اس تعلق

کی وجہ سے یہ ادارہ انھیں بڑا عزیز رہا۔ اور اس کی نسبت بھی انھوں نے اپنے شفیق مربی وشیخ کی طرف کی۔ ان کو ان کے خلیفہ اور آسام کے مشہور داعی و مصلح حضرت مولانا احمد علی باسکنڈی رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت وخلافت حاصل تھی، قبل ازیں حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ان کو اجازت حاصل ہوئی تھی، جن سے ان کا ارادت کا تعلق تھا؛ لیکن وہ اپنی خصوصیت کو ظاہر نہ ہونے دیتے تھے، اور خاص تعلق والوں کو ہی یہ بات معلوم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو باطنی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ ظاہری اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، وہ ایک خوبرو، پرکشش، وجیہ وشکیل اور بارعب شخصیت کے طور پر دیکھے جاتے تھے، اور لوگوں میں مستجاب الدعوات بزرگ کے طور پر جانے اور پہچانے جاتے تھے۔

افسوس کہ رشد وہدایت، علم وعمل اور للّٰہیت وربانیت کی حامل یہ محترم شخصیت ہمارے درمیان نہ رہی اور اپنے وطن رائے گڈھ (مہاراشٹر) میں ۲۵/ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۰/ اکتوبر ۲۰۱۵ء کو وفات پاکر ہم سے جدا ہوگئی۔

لِلّٰہِ مَا أَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِأَجَلٍ مُّسَمّٰی غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَرَحِمَہٗ رَحْمَۃً وَّاسِعَۃً وَّانْزَلَ عَلَیْہِ شَآبِیْبَ رَحْمَتِہٖ۔

کوکن کی ایک بزرگ شخصیت

[حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ]

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری☆

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، گجرات، مختلف ادوار سے گذرا ہے، اُس پر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اس کا دینی وعلمی وجود خطرہ میں پڑ چکا تھا؛ لیکن قدرت کا ایک قانون یہ بھی رہا ہے کہ وہ اپنے مخلص بندوں کے عمل کو ضائع ہونے نہیں دیتا، اُس نازک وقت میں ہمت اور استقلال کے ساتھ جن منتظمین اور اساتذہ نے جامعہ میں خدمات انجام دیں اُن میں حضرت مولانا سید شوکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شمار ہے۔

۱۳۷۹ھ میں حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحب سملکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بزرگوں کے مشورے سے اہتمام کی باگ ڈور سنبھالی تھی، اُسی سال انہوں نے جامعہ میں تدریس کے لیے مولانا سید شوکت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مدعو کیا تھا اور خود بمبئی سے ڈابھیل ساتھ لے آئے تھے اور طلبہ کی تربیت اور نگرانی کی ذمہ داری سپرد کی تھی، مولانا نے اپنی علمی قابلیت اور صلاحیت؛ بلکہ حکمتِ عملی سے انتظامی امور اور طلبہ کی تربیت کے سلسلہ میں خوب محنت کی، قلیل عرصے میں ساری صورتِ حال پر قابو پالیا اور بہت ہی خوش اسلوبی اور حسنِ تدبیر سے سارا نظام منضبط، مرتّب اور مستحکم کر دیا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دو سال [۱۳۷۹ھ تا ۱۳۸۰ھ] جامعہ میں خدمات انجام دیں، جماعت عربی اوّل کی مکمل تدریس آپ ہی کے ذمہ تھی، آپ نے ''دیوانِ متنبّی'' کا درس بھی دیا۔

☆ شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل ورکنِ شوریٰ دار العلوم دیوبند